1

تبلیغ دین کا کام صرف روپیہ سے نہیں بلکہ آدمیوں سے چل سکتا ہے

(فرمودہ 5 جنوری 1945ء)

تشہد، تعوّذ اور سورة فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"سردی کی وجہ سے میری طبیعت ناساز ہے اور منہ اور ہاتھوں پر ورم ہو گیا ہے۔ اور اس لئے مجھے سردی میں باہر تو نہ آنا چاہیے تھا۔ مگر چونکہ یہ جمعہ نئے سال کا پہلا جمعہ ہے اس لئے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ میں اس نئے سال کے متعلق جماعت کو اس کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاؤں۔

بعض باتیں بڑی صاف اور واضح ہوتی ہیں۔ مگر وہ جتنی صاف اور واضح ہوتی ہیں اتنی ہی ان کی طرف سے انسان کی طبیعت غافل کہو یا ناواقف کہو ہوتی ہے۔

موت ایک ایسی چیز ہے جو ساری دنیا کی چیزوں میں سے جو زیادہ یقینی چیزیں ہیں ان میں سے ہے۔ کیونکہ ہر ایک چیز بدل بھی جاتی ہے اور اس میں فرق بھی پڑ جاتا ہے مگر موت نہیں ٹل سکتی۔ دنیا میں سرد ہوائیں چلتی ہیں جو جگر و گُردوں کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ ہزاروں انسان سرد ہواؤں کی وجہ سے زکام اور نزلہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ہزاروں انسان بخار میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ہزاروں کے جگر اور گُردے خراب ہو کر وہ سُوء القنیہ اور البیومنریا 1 (Albuminuria)

سے بیمار ہو جاتے ہیں، ہزاروں کو نمونیہ ہو جاتا ہے۔ لیکن ہزاروں ہزار انسان ایسے بھی ہوتے ہیں کہ سرد ہواؤں کی وجہ سے مختلف بیماریوں میں مبتلا ہو جانے والوں کی نسبت بظاہر کمزور ہوتے ہیں۔ مگر سرد ہواؤں کا ان کی صحت پر کوئی بُرا اثر نہیں ہوتا۔ ان کی صحت نسبتاً ان لوگوں سے کمزور ہوتی ہے جو سرد ہوائیں چلنے کی وجہ سے نزلہ، زکام، نمونیہ، بخار، یا جگر اور گردوں کی خرابی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مگر ان سرد ہواؤں کی وجہ سے ان کی صحت پر کوئی بُرا اثر نہیں ہوتا۔ ملیریا کا موسم آتا ہے۔ کئی موٹے تازے اور اچھی صحت کے لوگ ملیریا کا شکار ہو جاتے ہیں اور کئی کئی روز تک بستر پر پڑے رہتے ہیں۔ مگر کئی ایسے لوگ ہوتے ہیں جو بظاہر دبلے پتلے ہوتے ہیں اور ایسے کمزور نظر آتے ہیں کہ ان کے جسم کی ہڈیاں گِنی جا سکتی ہیں۔ اور جو عام طور پر بیماریوں کا شکار رہتے ہیں مگر ملیریا کے موسم میں سے سلامت گزر جاتے ہیں۔ یہی حال سب وباؤں اور سب امراض کا ہوتا ہے وہ بعض لوگوں پر حملہ کرتی ہیں اور بعض کو چھوڑ جاتی ہیں۔ ہندوستان میں جب انفلوئنزا (Influenza) پھیلا تو اکثر گھر ایسے تھے کہ جن کے سارے کے سارے افراد اس میں مبتلا ہو گئے۔ پھر کئی گھر ایسے تھے کہ ان میں بعض افراد بیمار ہو گئے اور بعض تندرست رہے۔ اور کچھ ایسے بھی تھے کہ جن میں کوئی بھی بیمار نہ ہوا۔ تو ہر وباء اور ہر بیماری کچھ نہ کچھ لوگوں کو چھوڑ دیتی ہے اور کچھ لوگوں کو اپنا شکار بنا لیتی ہے۔ مگر موت ایک ایسی چیز ہے کہ جو کسی کو نہیں چھوڑتی، کوئی گھر، کوئی خاندان، کوئی بستی، کوئی قوم اور کوئی ملک ایسا نہیں کہ جس پر موت نازل نہ ہوئی ہو۔ اور جس کے گزشتہ لوگ مر نہ چکے ہوں اور جس کے موجودہ لوگ آئندہ زمانہ میں مرنے والے نہ ہوں۔

پس موت تو ایک یقینی چیز ہے۔ مگر دیکھو دنیا میں اکثر لوگ کس طرح موت کو بُھلائے رکھتے ہیں۔ انہیں بیماریوں کا فکر ہوتا ہے۔ اپنی تجارتوں اور ملازمتوں کا فکر ہوتا ہے۔ ملازمتوں کے سلسلہ میں کسی الزام کے لگ جانے کا فکر ہوتا ہے۔ ترقیات نہ ملنے کا فکر ہوتا ہے اور دنیا کے کاموں کا فکر ہوتا ہے مگر موت کا خیال ان کے دل میں نہیں آتا۔ حالانکہ موت ایک ایسی چیز ہے جو سب سے زیادہ یقینی اور قطعی ہے۔ مگر یا تو اس کی عمومیت کی وجہ سے لوگوں کی نظروں سے وہ اوجھل ہوتی ہے اور یا شدتِ دہشت کی وجہ سے لوگ اس کا خیال بھی

دل میں نہیں آنے دیتے تا زندگی خراب نہ ہو جائے۔ یا پھر یہ بات ہے کہ دنیا کی دلچسپیاں اور دنیا کی امنگیں اتنی زبردست ہوتی ہیں کہ وہ موت کے خیال کو پاس پھٹکنے نہیں دیتیں۔

ایسی ہی اَور بہت سی چیزیں ہیں جو موت ہی کی طرح قطعی اور یقینی ہوتی ہیں مگر انسان ان کے خیال کو پاس نہیں آنے دیتا۔ گرنے والے اور زوال پذیر ہونے والے خاندان جن کی جائدادیں بِکتی اور رہن ہوتی جاتی ہیں۔ جن کے نوجوان تعیّش کی زندگیاں بسر کرنے لگتے ہیں اور علم و تقویٰ کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے اور کام کاج سے جی چُرانے لگتے ہیں ہر دیکھنے والا دیکھتا ہے کہ وہ گر رہے ہیں۔ سوائے ان کے جو ان خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں جو گر رہے ہوتے ہیں مگر اپنی حالت دیکھ نہیں سکتے۔ وہ گرتے چلے جاتے ہیں مگر اپنی حالت پر غور نہیں کرتے۔

ہماری جماعت کے سپرد جو کام ہے اس کے متعلق بھی ایک ایسی چیز ہے جو ایسی واضح ہے کہ اس کے بارہ میں کوئی شبہ نہیں مگر ابھی تک جماعت میں اس کا احساس پیدا نہیں ہوا۔ اور وہ ہے تبلیغی جدوجہد۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے نبیِٔ اشاعت قرار دیا ہے۔ اسلام کی اشاعت اور اظہار عَلَی الاَدیان کے آپ ہی کے زمانہ میں ہونے کے متعلق پیشگوئیاں ہیں۔ پھر آپ کا نام اللہ تعالیٰ نے سلطان القلم رکھا ہے۔ گویا کام کی دو ہی چیزیں ہیں۔ یعنی دعوۃ اور قلم۔ انہی دو سے اسلام کو دوسرے مذاہب پر غلبہ حاصل ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے بیان اور تحریر دونوں چیزیں آپ کو دی ہیں اور ان دونوں سے ہی اسلام دوسرے مذاہب پر غالب ہو گا۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ انہی دو سے آپ کی جماعت نے کام لینا ہے اور انہی ذرائع سے آپ کی جماعت کو ترقی حاصل ہو گی۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی ترقی کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ "ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہو گی کہ عیسیٰ کے انتظار کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نومید اور بدظن ہو کر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑیں گے۔ اور دنیا میں ایک ہی مذہب ہو گا اور ایک ہی پیشوا۔ میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں۔ سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا۔ اور اب وہ بڑھے گا اور پُھولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔"[2]

اور یہ بات ظاہر ہے کہ اتنا بڑا کام سوائے اس کے نہیں ہو سکتا کہ وسیع پیمانہ پر تبلیغ کی جائے۔ اور پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ وسیع پیمانہ پر تبلیغ مبلغوں کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اور پھر یہ بات بھی ظاہر ہے کہ جو لوگ نئے جماعت میں شامل ہوں گے اُن کو دین سکھانے والوں کی بھی ضرورت ہے۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ رات کو فرشتے آسمان سے اُتریں اور ان کو دین سکھا جائیں۔ یہ کام آدمی ہی کر سکتے ہیں اور آدمیوں نے ہی کرنا ہے۔ پس جہاں تبلیغ کے لئے آدمیوں کی ضرورت ہے وہاں نئے داخل ہونے والوں کو دین سکھانے کے لئے بھی آدمیوں کی ضرورت ہے۔ کوئی شخص پورے طور پر کسی مذہب کو سیکھ کر اسے اختیار نہیں کیا کرتا۔ ہر وہ شخص جو مسلمان ہوتا ہے یا عیسائیت یا یہودیت کو اختیار کرتا ہے وہ ان مذاہب کو پوری طرح سیکھ کر نہیں کرتا۔ دیگ میں سے چاولوں کے چند دانے ہی دیکھے جاتے ہیں اور پھر قیاس کر لیا جاتا ہے کہ تمام چاول پک چکے ہیں۔ اسی طرح کسی مذہب کو اختیار کرنے والا بھی اس کی پوری جزئیات سمجھ کر اختیار نہیں کرتا۔ جو لوگ حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لائے، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے یا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لائے وہ ان کی تعلیمات کی پوری پوری جزئیات اور تفاصیل کو سمجھ کر ایمان نہ لائے تھے بلکہ بعض اصولی باتوں کو دیکھ کر لائے تھے۔ انہی باتوں کو دیکھ کر انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ یہ دین سچا ہے۔ جس طرح دیگ میں سے چند دانے دیکھ کر یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ دیگ پک چکی ہے یا نہیں اسی طرح انہوں نے چند اصولی باتوں کو دیکھ کر ان مذاہب کا سچا ہونا تسلیم کر لیا اور ایمان لے آئے۔

سو فیصدی تسلی کر کے اگر ہر کام کیا جائے تو کوئی کام ہو ہی نہیں سکتا۔ جو شخص دیگ کے تمام چاول انگلی کے نیچے دبا کر دیکھنا چاہے وہ مہمانوں کو اُسی دن کھانا نہ کِھلا سکے گا بلکہ ایک ماہ بعد کِھلا سکے گا۔ اور اتنے عرصہ تک چاول کھانے کے قابل رہ بھی نہیں سکتے سڑ جائیں گے۔ پس جو شخص سو فیصدی تسلی کرنا چاہے کہ ہر چاول پک گیا ہے وہ کبھی مہمانوں کی دعوت نہیں کر سکتا۔ جو شخص ہر بوٹی کو توڑ کر دیکھے اور ہر آلو کو انگلیوں میں دبا کر دیکھے کہ وہ اچھی طرح پک گیا ہے وہ بھی مہمانوں کو کھانا نہیں کِھلا سکتا بلکہ ایسا سالن کھانے سے مہمان کراہت کریں گے

جس کی ہر بوٹی کا ٹکڑا ہاتھ سے توڑا گیا ہو اور جس کے ہر آلو کو انگلیوں سے دبا کر دیکھا گیا ہو۔ پس جس طرح آدمی دیگ کے ہر چاول اور ہر بوٹی اور ہر آلو کو نہیں دیکھا کرتا بلکہ چند ایک کو دیکھ کر ہی قیاس کر لیتا ہے اسی طرح جو لوگ کسی مذہب کو اختیار کرتے ہیں وہ صرف چند ایک اہم اصول اور مسائل کو دیکھ کر ہی اختیار کر لیتے ہیں تمام جزئیات اور تفاصیل کو نہیں سیکھا کرتے۔ وہ خیال کر لیتے ہیں کہ تفاصیل پھر سیکھیں گے۔ اسی طرح جو لوگ احمدیت میں داخل ہوں گے وہ سو فیصدی سیکھ کر نہیں ہوں گے بلکہ ان کے داخل ہونے کے بعد ان کو دین سکھانا ہمارا کام ہے۔ اور اگر کثرت سے لوگ داخل ہوں اور ان کو دین سکھانے والے نہ ہوں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم ان پر غالب نہیں آئے بلکہ وہ ہم پر غالب آ گئے۔ اسلام دوسرے مذاہب پر غالب نہیں آیا بلکہ اگر وہ عیسائیت سے آئے ہیں تو گویا عیسائیت اسلام پر غالب آ گئی اور اگر نئے داخل ہونے والے ہندو مذہب سے آئیں گے تو ہندو مذہب اسلام پر غالب آ گیا کیونکہ کسی قوم میں جن لوگوں کی کثرت ہو گی انہی کے خیالات پھیلیں گے۔ پس جو لوگ احمدیت میں بکثرت داخل ہوں گے اگر ہم ان کو دین سکھانے کا انتظام نہ کر سکے تو لازمی بات ہے کہ بجائے احمدیت کی تعلیم پھیلنے کے ان کے خیالات پھیل جائیں گے۔ اور اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ ہم میں داخل نہیں ہوئے بلکہ ہم ان میں داخل ہو گئے ہیں۔

بعض لوگ بہت حیرت سے پوچھتے ہیں کہ یہ ہوا کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے کا عقیدہ مسلمانوں میں پھیل گیا۔ یہ گویا ایک مثال ہمارے سامنے ہے کہ کس طرح ایک غیر اسلامی عقیدہ اسلامی بن گیا۔ یہ مثال ہمیں ہوشیار کرنے کے لئے ہے کہ غفلت کے باعث اِس طرح غیر احمدی عقائد احمدی عقائد بن سکتے ہیں اگر ہم آنے والوں کی اچھی طرح تربیت نہ کریں گے۔ دیکھو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے کا غیر اسلامی عقیدہ اسلامی کس طرح بن گیا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ شروع میں جب خلافت کا نظام ٹُوٹا تو حکومت کا مرکز دمشق قرار پایا جہاں زیادہ تر عیسائی رہتے تھے۔ وہ مسلمان تو ہو گئے مگر چونکہ ان کی دینی تعلیم کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہ تھا اس لئے ان کے بہت سے عقائد مسلمانوں میں پھیل گئے۔ اُس زمانہ میں عیسائیوں سے مسلمان ہونے والوں کی کثرت تھی۔ اگر شام میں دس

عیسائیوں سے مسلمان ہونے والے تھے تو ایک عرب کا مسلمان تھا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ وہی عقائد زیادہ پھیل سکتے تھے جو دس کے ہوں۔ عیسائیوں سے مسلمان ہونے والوں کے دلوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت تھی۔ انہوں نے ان کی خدائی کا خیال تو ترک کر دیا مگر ان کی بڑائی کے سب عقائد کو نہ چھوڑا اور نتیجہ یہ ہوا کہ ایسے عقائد مسلمانوں میں بھی رائج ہو گئے۔ دیکھ لو ایسے تمام غلط عقائد جو آج مسلمانوں میں ہیں سب عیسائیوں والے ہی ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بڑائی پائی جاتی ہے۔ اگر کسی مسلمان سے پوچھا جائے کہ حضرت نوحؑ مُردے زندہ کرتے تھے؟ تو کہے گا نہیں۔ حضرت ابراہیمؑ مُردے زندہ کرتے تھے؟ وہ کہے گا نہیں۔ حضرت موسیٰؑ کرتے تھے؟ کہے گا نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کرتے تھے؟ کہے گا نہیں۔ اگر پوچھو کوئی نبی کرتا تھا؟ تو وہ کہے گا ہاں حضرت عیسیٰؑ کرتے تھے۔ اسی طرح پوچھو کسی نبی نے کوئی مخلوق پیدا کی؟ حضرت نوحؑ نے حضرت ابراہیمؑ نے حضرت موسیٰؑ نے کوئی مخلوق پیدا کی؟ تو وہ انکار کرے گا۔ اگر پوچھا جائے کہ کسی نبی نے کی؟ تو کہے گا ہاں۔ کس نے؟ حضرت عیسیٰؑ نے۔ پوچھو کسی نبی کو علمِ غیب تھا؟ کوئی بتا سکتا تھا کہ کسی نے گھر میں کیا کھایا؟ کیا حضرت نوحؑ یہ بات بتا سکتے تھے؟ وہ کہے گا نہیں۔ حضرت ابراہیمؑ بتا سکتے تھے؟ کہے گا نہیں۔ حضرت موسیٰؑ بتا سکتے تھے؟ کہے گا نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم بتا سکتے تھے؟ کہے گا نہیں۔ کوئی بتا بھی سکتا تھا؟ کہے گا ہاں۔ کون؟ حضرت عیسیٰؑ۔ تو ایسی سب باتیں حضرت عیسیٰؑ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ کلمۃُ اللہ حضرت عیسیٰؑ ہیں اور کوئی نبی نہیں۔ گناہوں سے پاک صرف وہ ہیں اور کوئی نہیں۔ اور یہ سب عقائد وہی ہیں جو عیسائیوں کے تھے۔

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد اسلامی بادشاہت دمشق میں چلی گئی تھی یہ عیسائی ملک تھا۔ یہاں کثرت سے عیسائی مسلمان ہو گئے۔ مگر چونکہ ان کی تربیت صحیح طور پر نہ ہو سکی انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کی خدائی کا عقیدہ تو ترک کر دیا لیکن قرآن کریم کی جو بھی ذُوالمعانی آیت نظر آئی اُس کو لیا اور اس رنگ میں اسکے معنے کئے کہ زیادہ سے زیادہ بڑائیاں حضرت عیسیٰؑ کی طرف منسوب کر دیں۔ اور چونکہ دمشق اُس وقت اسلامی حکومت کا مرکز تھا اس لئے

وہاں سے جو خیالات پھیلتے تھے اُنہی کو دوسرے علاقوں کے مسلمان بھی صحیح سمجھنے لگتے تھے۔ اور یہ خیال ان کو نہ آتا تھا کہ دمشق پر عیسائیت کا اثر ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جہاں قرآن کریم نے عیسیٰ کو مارا تھا عیسائیوں نے مسلمانوں کو مار دیا۔ یہی حال عیسائیت کا بھی ہوا تھا وہ اپنی جگہ کفر کا کشتہ تھی۔ عیسائیت زیادہ روما میں پھیلی اور وہ لوگ بت پرست تھے۔ وہ پہلے ستاروں وغیرہ کو خدا کا بیٹا مانتے تھے۔ پھر عیسائیت کو اختیار کرنے کے بعد حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا ماننے لگے۔ اور حضرت عیسیٰؑ کی ماں کی پرستش کرنے لگے جس طرح وہ پہلے بعض دیوتاؤں کی ماں کی پرستش کرتے تھے۔ یہ لوگ آرین نسل کے تھے جو اتوار کو مقدس دن سمجھتے تھے۔ ان کے زیر اثر عیسائیوں نے بھی ہفتہ کے بجائے اتوار کو مقدس دن بنالیا۔ تو جس طرح عیسائیت روما میں جا کر بگڑی تھی اسی طرح اسلام دمشق میں جا کر بگڑ گیا۔ آج بعض لوگ حیرت سے پوچھتے ہیں کہ یہ عیسائی عقائد مسلمانوں میں کیونکر داخل ہو گئے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ عیسائی بکثرت مسلمان ہوئے اور ان کو دینی تعلیم نہ دی جا سکی مسلمانوں نے ان کی تربیت کا کوئی انتظام نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے اپنے عقائد اسلام میں داخل کر دیئے۔ اور یہی حال ہمارا ہونے کا ڈر ہے۔ اگر ہم نے کافی تبلیغ نہ کی اور پھر نئے داخل ہونے والوں کی تعلیم و تربیت کا خاطر خواہ انتظام نہ کر سکے۔

پس ہمارے پاس کافی مبلغ ہونے ضروری ہیں جو احمدیت کو دنیا کے کناروں تک پھیلا سکیں۔ اور جو نئے آنے والوں کو اسلام اور احمدیت کی صحیح تعلیم دے سکیں۔ مگر اس کے لئے ہم نے کون سے سامان کئے ہیں؟ ایک مدرسہ احمدیہ جاری ہے۔ اور یہ امر ظاہر ہے کہ کوئی ایک مدرسہ ساری دنیا میں تبلیغ کے لئے مبلغ مہیا نہیں کر سکتا۔ یا ایک کالج ہے وہ بھی کافی نہیں۔ دنیا کے دوسرے کالجوں میں ڈیڑھ ڈیڑھ اور دو دو ہزار طالب علم ہوتے ہیں۔ اور بڑے بڑے شہروں میں کئی کئی کالج ہیں۔ اور کئی یونیورسٹیاں مُلکوں میں ہوتی ہیں۔ کوئی بہت ہی چھوٹا ملک ہو گا جس میں یونیورسٹی ایک ہی ہو۔ ورنہ مختلف ممالک میں کئی کئی یونیورسٹیاں ہوتی ہیں۔ لیکن کسی ملک میں اگر ایک ہی یونیورسٹی ہو تو بھی اس میں ہزاروں طالب علم ہوتے ہیں۔ مصر ایک چھوٹا سا ملک ہے کروڑ سَوا کروڑ آبادی ہو گی۔ اور وہاں ایک ہی مذہبی یونیورسٹی ہے یعنی

ازہر یونیورسٹی۔ اور اس میں قریباً دس ہزار طلباء تعلیم پاتے ہیں۔ مگر ہم نے جو سکول تعلیمِ دین کے لئے جاری کرر کھا ہے اس کی یہ حالت ہے کہ سارے سال میں اس میں صرف آٹھ طالبعلم داخل ہوئے ہیں۔ اور یہ وہ پہلی جماعت ہے جو آٹھ سال کے بعد آخری جماعت بنے گی۔ اور اس سال تو پھر بھی آٹھ طالب علم داخل ہوئے ہیں پچھلے سال صرف تین ہوئے تھے۔ اور آٹھ کے معنی ہیں چار۔ کیونکہ کسی سکول میں جتنے لڑکے شروع میں داخل ہوں ان میں سے نصف کے قریب بالعموم گر جایا کرتے ہیں۔ کچھ تو ہمت ہار کر خود ہی پڑھائی چھوڑ دیتے ہیں۔ کچھ اَور ہوتے ہیں جو پڑھائی کی طرف توجہ نہیں کرتے اور مدرسہ والے ان کو خود نکال دیتے ہیں۔ کچھ پڑھائی تو ختم کر لیتے ہیں مگر وہ دینی کام کرنے کے بجائے دُنیوی کاموں میں لگ جاتے ہیں۔ اس لئے آٹھ کے معنے چار ہی سمجھنے چاہئیں۔ تو اب جو آٹھ طالب علم مدرسہ احمدیہ میں داخل ہوئے ہیں ان میں سے چار ہمیں آٹھ سال کے بعد مل سکیں گے۔ حالانکہ ہمیں تمام دنیا میں تبلیغ اور دینی تعلیم و تربیت کے لئے لاکھوں آدمیوں کی ضرورت ہے۔ اور اگر مبلغین کی تیاری کی رفتار یہی رہی تو اس کے یہ معنے ہیں کہ دس ہزار سال میں ہمیں کام کرنے والے آدمی پوری تعداد میں مل سکیں گے۔ اور وہ بھی اس صورت میں کہ اللہ تعالیٰ یہ قانون بنا دے کہ ان میں سے کوئی مرے گا نہیں اور بوڑھا بھی نہیں ہو گا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی ایسا قانون ہو تب دس ہزار سال کے بعد ہمیں پورے مبلغ مل سکتے ہیں۔ اور دنیا کی کوئی قوم دس ہزار سال تک زندہ نہیں رہ سکتی۔ کسی قوم کی زندگی تین سَو سال سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ اس عرصہ میں وہ یا تو غالب آکر دوسری طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور یا پھر مٹ جاتی ہے۔ اور اس کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا۔ اس کے بعد کہیں کہیں صوفیاء وغیرہ رہ جاتے ہیں جو اپنی اپنی جگہ اور اپنے اپنے حلقہ میں اپنے سلسلہ کو جاری رکھتے ہیں ورنہ اس مذہب کی طرف منسوب ہونے والے تو باقی رہتے ہیں لیکن مذہب باقی نہیں رہتا۔ آج ہندوستان میں کروڑوں ہندو موجود ہیں مگر ہندو مذہب باقی نہیں۔ ہندو کہلانے والے جو قانون اپنے لئے چاہتے ہیں بنا لیتے ہیں۔ عیسائی ہیں ان کو آج دنیا میں بڑی طاقت حاصل ہے مگر عیسائیت باقی نہیں۔ بلکہ عیسائیت تو رسول کریم ﷺ سے پہلے ہی مٹ گئی تھی۔ یہودی تو دنیا میں موجود ہیں لیکن اگر آج حضرت موسیٰ علیہ السلام

دنیا میں آئیں تو اس یہودیت سے کانوں پر ہاتھ دھریں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ 3 ثُمَّ یَکُوْنُ فَیْجُ اَعْوَجَ۔

تو قوموں کی زندگی تین سو سال سے زیادہ نہیں ہوتی۔ بلکہ بعض تو دو ڈیڑھ سو سال میں ہی ختم ہو جاتی ہیں۔ اس عرصہ میں یا تو وہ غالب آکر سیاست کی طرف متوجہ ہو جاتی ہیں اور اس کے زور سے قائم رہتی ہیں یا مٹ جاتی ہیں۔ پس کوئی ایسی سکیم کہ دس ہزار سال میں قومی ترقی کے سامان کئے جائیں گے کسی پاگل کے نزدیک ہی قابلِ توجہ ہو سکتی ہے۔ بلکہ ایسی بات کو تو پاگل بھی نہیں مان سکتا اور جو ایسی بات پر یقین رکھتا ہے اس سے زیادہ پاگل کوئی نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک ایسی واضح بات ہے کہ جو دنیا کی واضح ترین باتوں میں سے ہے۔ مگر میں حیران ہوا کرتا ہوں کہ ہماری جماعت میں ہزاروں اعلیٰ تعلیم یافتہ بی۔ اے اور ایم۔ اے لوگ ہیں۔ ان کی سمجھ میں یہ واضح بات کیوں نہیں آتی کہ ہماری جماعت تبلیغ کے فریضہ کو کس طرح ادا کرے گی۔ کیا وہ سمجھتے ہیں کہ اس کام کے لئے آسمان سے فرشتے اتریں گے؟ کیا پہلے انبیاء کے زمانوں میں فرشتوں نے آسمان سے اتر کر یہ کام کیا تھا جو اَب وہ اتر کر کریں گے؟ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فرشتے یہ کام کرنے کے لئے نہیں اترے تو اب کیا اتریں گے۔ حقیقت یہی ہے کہ پہلے بھی آدمیوں نے ہی یہ کام کیا تھا اور اب بھی آدمی ہی کریں گے۔ پہلے بھی بعد میں آنے والوں کو تعلیم آدمیوں نے ہی دی تھی اور اب بھی آدمی ہی دیں گے۔ اور ایک انسان اتنے ہی لوگوں کو تعلیم دے سکتا اور تبلیغ کر سکتا ہے جتنے لوگوں کو تعلیم دینے اور تبلیغ کرنے کی طاقت اُس کے اندر ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک انسان لاکھوں کی تعلیم و تبلیغ کا بوجھ اٹھا سکے۔ لیکن ہمارے پاس مبلغوں کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ دنیا کی دو ارب آبادی کے لئے اگر دس ہزار مبلغ بھی ہوں تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ دو لاکھ افراد کے لئے ایک مبلغ ہے۔ اور یہ تعداد بالکل ناکافی ہے۔ قادیان کی آبادی دس ہزار ہے۔ اگر اس دس ہزار آبادی کے لئے ایک آدمی ہو تو کیا اسے کافی سمجھا جا سکتا ہے اور کام چل سکتا ہے؟ ہر گز نہیں۔ لیکن ہمارے پاس تو ابھی اتنے بھی نہیں ہیں۔

ایک آدمی کے کام کا وقت 25 سال عام طور پر ہوتا ہے۔ یا اگر 25 سال کی عمر میں

تعلیم ختم کرلی جائے تو تیس سال کام کا زمانہ سمجھا جا سکتا ہے۔ مگر چونکہ بعض کام کرنے والے اتنا عرصہ کام کرنے سے پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں اس لئے کام کرنے کی اوسط بیس سال سمجھنی چاہیے اور اگر موجودہ رفتار کے لحاظ سے ہمیں چار آدمی ہر سال ملیں تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ بیس سال میں ہمارے پاس صرف 80 آدمی ہوں گے۔ اور یہ اتنی واضح بات ہے کہ اس رفتار سے وہ عظیم الشان کام نہیں ہو سکتا جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے سپرد کیا ہے۔ اس کے لئے بہت زیادہ آدمیوں کی ضرورت ہے۔ مگر مدرسہ احمدیہ میں دوست اپنے بچوں کو داخل کرانے کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ ہر خاندان یہی سمجھتا ہے کہ دوسرے خاندانوں سے لڑکے آجائیں گے اسے بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ اور چونکہ ہر گھر یہی سمجھ لیتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سارے ہی گھر خالی رہ جاتے ہیں۔ حالانکہ ایمان کی کم سے کم علامت یہ ہونی چاہیے کہ ہر خاندان ایک لڑکا دے۔ اور جو یہ بھی نہیں کرتا وہ گو شرم و حیا کی وجہ سے منہ سے تو نہیں کہتا مگر عملی طور پر وہ یہی کہتا ہے کہ اِذۡهَبۡ اَنۡتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوۡنَ۔4 اے موسیٰ! تُو اور تیرا رب جاؤ اور دونوں جا کر دشمنانِ دین سے جنگ کرو ہم تو اسی جگہ بیٹھے رہیں گے۔ گو وہ منہ سے یہ الفاظ نہ کہے مگر اپنے عمل سے یہی کہتا ہے اور اس کے دل میں یہی ہے اور جس کے دل میں یہ بات ہو وہ بھی مومن نہیں ہو سکتا۔ کیا اگر کوئی شخص دل میں خدا تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات پر ایمان نہ رکھتا ہو، دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان نہ رکھتا ہو تو وہ مومن ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کوئی شخص زبان سے ہزار کہے کہ وہ مومن ہے اگر وہ دل سے نہیں مانتا تو وہ مومن نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح جو شخص دل میں کہتا ہے کہ اِذۡهَبۡ اَنۡتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوۡنَ وہ بھی ہرگز مومن نہیں ہو سکتا۔

مَیں نے تحریک جدید کے پہلے دَور میں بھی یہ بات بیان کی تھی کہ کام آدمیوں سے چل سکتا ہے روپیہ سے نہیں۔ روپیہ تو ایک ضمنی چیز ہے۔ اور پھر روپیہ کے لحاظ سے تو ہم دنیا کا مقابلہ کر بھی نہیں سکتے۔ ہم خوش ہیں کہ ہم نے تحریک جدید کے پہلے دَور کے دس سالوں میں 14 لاکھ روپیہ جمع کر لیا۔ مگر دوسروں کے مقابلہ میں 14 لاکھ روپیہ کی کوئی حیثیت نہیں۔ ہندوستان ایک گھٹیا قسم کا ملک سمجھا جاتا ہے۔ اور صوبہ پنجاب کا ہندوستان کے گھٹیا صوبوں میں

شمار ہوتا ہے۔ گویا پنجاب دولت کے لحاظ سے بہت گھٹیا درجہ کا ہے۔ لیکن اس صوبہ کے ایک ہندو سر گنگا رام نے ایک کروڑ روپیہ وقف کر دیا تھا اور جب ایک گھٹیا ملک کے گھٹیا صوبہ کے ایک فرد نے ایک کروڑ روپیہ وقف کر دیا تو ہمارا 14 لاکھ روپیہ دس سالوں میں جمع کر دینا اور روپیہ کے لحاظ سے کون سی بڑی بات ہے۔ ہم اس قربانی پر خوش ہیں تو اس لئے کہ یہ ایک غریب جماعت کی جیبوں سے نکلا۔ اور یہ ہماری جماعت کے اخلاص کا ثبوت ہے ورنہ دنیا کے روپیہ کے مقابلہ میں چودہ لاکھ روپیہ کی کوئی حقیقت نہیں۔ میں سمجھتا ہوں اگر ہندوستان کے ہندو اخلاص سے کوئی رقم جمع کرنا چاہیں تو چودہ ارب جمع کر سکتے ہیں۔ صرف ایک ہندو نے اعلان کیا ہے کہ مَیں نے پچاس کروڑ روپیہ جنگ کے بعد موٹروں کا کارخانہ جاری کرنے کے لئے الگ کر دیا ہے۔ مَیں نے کمپنی نہیں بنائی اس لئے کہ اگر نقصان ہوا تو کم سرمایہ والے لوگوں کو نقصان نہ ہو۔ اس نے اپنی جائداد کا صرف ایک حصہ الگ کیا ہے جو پچاس کروڑ ہے۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ اس کے پاس دو تین ارب روپیہ ہو گا۔ اور یہ تو صرف ایک ہندو کی دولت کا حال ہے۔ ایسے اور بھی کئی ہیں اور میں سمجھتا ہوں صرف سَو دو سَو بڑے بڑے ہندو اگر چاہیں تو چودہ ارب روپیہ جمع کر سکتے ہیں۔ یا زیادہ سے زیادہ ہزار آدمی مل کر دے سکتے ہیں۔ تو جہاں تک روپیہ کا سوال ہے چودہ لاکھ کی رقم اتنی حقیر رقم ہے کہ دوسروں کے روپیہ کے سامنے اس کا نام بھی نہیں لیا جا سکتا۔ یورپ اور امریکہ میں اگر کوئی احمدی اپنی چودہ لاکھ روپیہ کی رقم کو اپنی قربانی کی مثال کے طور پر پیش کرے تو سننے والے ہنسیں گے۔ کیونکہ وہاں تو دوستوں کی تفریح کے لئے کوئی فلم وغیرہ بنانے پر لوگ لاکھوں روپیہ خرچ کر دیتے ہیں۔ پس ہماری اِس قربانی کی عظمت چودہ لاکھ روپیہ کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ یہ روپیہ غریبوں کی جیبوں سے آیا ہے۔ اور دوسرے اس لئے کہ یہ خدا تعالیٰ کی خاطر جمع کیا گیا ہے۔ پس جہاں تک روپیہ کے مقابلہ کا سوال ہے ہم دنیا کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ دنیا اس سے بہت بڑھ کر یہ چیز پیش کر سکتی ہے۔ لیکن ایک ایسی چیز ہے کہ دنیا اس سے بڑھ کر پیش نہیں کر سکتی اور وہ جان ہے۔ جان دینے میں وہ ہم سے بڑھ نہیں سکتی۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ جان کے مقابلہ میں جان پیش کر دے اس سے زیادہ نہیں کر سکتی۔ ہمارے ایک روپیہ کے مقابلہ میں تو

بے شک امریکہ کا کوئی کروڑ پتی یا ہندوستان کا کوئی کروڑ پتی ایک کروڑ روپیہ دے سکتا ہے۔ مگر جان کے مقابلہ میں وہ زیادہ سے زیادہ جان ہی دے سکے گا ہم سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ پس یہ وہ چیز ہے جس میں جماعت نمونہ دکھا سکتی تھی مگر افسوس ہے کہ اس کی طرف پوری توجہ نہیں کی گئی۔ تبلیغ کے کام کے لئے ہزاروں آدمیوں کی ضرورت ہے۔ اگر کم سے کم تعداد رکھی جائے اور ایک ہزار مبلغ سے کام چلانے کی سکیم سامنے رکھی جائے تو بھی موجودہ رفتار کے لحاظ سے اتنے آدمی اڑھائی سَو سال میں ہمیں مل سکتے ہیں۔

تحریک جدید کے پہلے دَور میں مَیں نے صرف اِس کا اعلان کیا تھا مگر اب میں جماعت کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ اپنے اخلاص کا ثبوت دے اور نوجوان زندگیاں وقف کریں۔ ہر احمدی گھر سے ایک نوجوان ضرور اِس کام کے لئے پیش کیا جائے۔ مگر ہمارے مشورہ سے پیش کیا جائے۔ کیونکہ سب کو فوراً استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ ہم باری باری لیں گے۔ اس سال پچاس دیہاتی مبلغ لئے جائیں گے یوں تو صرف پنجاب کے لئے موجودہ حالات میں کم سے کم دو سَو دیہاتی مبلغین کی ضرورت ہے مگر اس سال صرف پچاس لئے جائیں گے۔ بیس سے تیس سال تک عمر کے دوست جو کم سے کم مڈل تک تعلیم رکھتے ہوں اپنے نام پیش کریں۔ چالیس سال عمر کے موزوں آدمی بھی لئے جا سکتے ہیں۔ انہیں سال ڈیڑھ سال تک ضروری تعلیم دینے کے بعد مختلف دیہات میں مقرر کر دیا جائے گا۔ اور اسی طرح مدرسہ احمدیہ میں بھی داخلہ کے لئے ہر سال کم سے کم پچاس طالبعلم آنے چاہئیں۔ سَو ہوں تو بہت بہتر ہے۔ ان کی تعلیم آٹھ سال میں ختم ہو گی۔ اگر پچاس طالب علم ہر سال داخل ہوں تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ آٹھ سال کے بعد ہمیں 25 آدمی کام کے لئے مل سکیں گے۔ گویا اٹھارہ سال کے بعد 250 آدمی مل سکیں گے۔ اور اگر ہر سال سَو طالب علم داخل ہوں تو 18 سال کے بعد پانچ سو حاصل ہوں گے۔ یہ کتنا لمبا عرصہ ہے پھر اتنے لمبے عرصہ کے بعد بھی جو آدمی ملیں گے وہ بالکل ناکافی ہوں گے۔ کیونکہ دنیا میں تبلیغ کے علاوہ نئے آنے والوں کی تعلیم و تربیت کے لئے بھی آدمیوں کی ضرورت ہے۔ پس دوست اپنے لڑکوں کو اس تحریک کے ماتحت پیش کریں اور جن کے ہاں اولاد نہ ہو یا ہو مگر بڑی عمر کی ہو۔ یا جن کے ہاں لڑکیاں ہی ہوں لڑکے نہ ہوں تو وہ ایک دیہاتی

مبلغ یا مدرسہ احمدیہ کے ایک طالب علم کا ماہوار خرچ دیں۔ یا چند دوست مل کر ایک طالب علم کا خرچ برداشت کریں☆ جو آج کل کے لحاظ سے بیس روپیہ ماہوار سے کم نہیں ہوگا تا غرباء کے بچوں کو تعلیم دلائی جاسکے۔ لیکن اصل قربانی تو جان کی ہی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ بھی رکھا ہے۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ ہمارے دوستوں کو اسماعیلؑ جیسی قربانیاں کرنی ہوں گی۔ ہر سال عید آتی ہے اور ہمیں یہی سبق دیتی ہے۔ آپ لوگ عید کے موقع پر بکرے ذبح کرتے ہیں مگر یہ اصل قربانی نہیں یہ تو صرف علامت ہوتی ہے اس بات کی کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلاوا آئے گا آپ اپنی جانیں پیش کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مگر اب جانی قربانی کا وقت آگیا ہے لیکن دوست ابھی بکرے ہی پیش کرتے ہیں جانیں پیش نہیں کرتے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو آپ نے فرمایا تَرَکْتُ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَ عِتْرَتِیْ[5] کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں یعنی قرآن کریم اور عترت۔ شیعہ لوگ عترت سے مراد حضرت علیؓ لیتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں۔ عترت کے معنے ہیں وہ مخلص لوگ جو دین کی خاطر اپنے آپ کو ذبح کر دینے کے لئے تیار ہوں۔ اَلْعَتِیْرَۃُ اُس قربانی کا نام ہے جو بتوں کے آگے پیش کی جاتی تھی۔ عربی میں محاورہ ہے عَتَرَ الْعَتِیْرَۃَ۔ اس نے بت کے آگے بکری کی قربانی پیش کی۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا یہ مطلب ہے کہ میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں ایک قرآن کریم اور دوسرے ایسے لوگ جو اپنی زندگیاں قربان کرنے کے لئے تیار ہوں۔ جب تک یہ دونوں چیزیں باقی رہیں گی اسلام مٹ نہیں سکتا۔ شیعوں نے عِتْرَتِیْ کے معنے حضرت علیؓ اور اہلِ بیت کے کئے ہیں اور وہ اس سے ان کی فضیلت ثابت کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت علیؓ بھی عترت تھے۔ مگر دنیوی رشتہ داری کے لحاظ سے نہیں۔ بلکہ اس لئے کہ انہوں نے خدا کی راہ میں جان کی قربانی کر دی۔ ہم ان کے عترت ہونے کا انکار نہیں کرتے۔ صرف اُس وجہ کا انکار کرتے ہیں جو شیعہ پیش کرتے ہیں۔ وہ ضرور عترت تھے مگر اس لئے تھے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خاطر اپنی جان قربانی کے لئے پیش کر دی۔ جب کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

☆ اس خطبہ کے بعد تین وظائف تین طالب علموں کے لئے میرے پاس آچکے ہیں۔

کو مار دینے کا ارادہ کیا تو آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ6۔ کیونکہ میں خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہجرت کر کے جا رہا ہوں7 اور حضرت علیؓ نے اس قربانی کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ اگر کفار بغیر دیکھے حملہ کر دیتے تو آپ ضرور مارے جاتے۔ مگر ان کو شک پیدا ہوا کہ یہ جسم تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا معلوم نہیں ہوتا۔ اور انہوں نے شکل دیکھی تو معلوم ہو گیا کہ علیؓ ہیں اس لئے انہوں نے نہ مارا۔ تو اس میں شک نہیں کہ حضرت علیؓ عترت تھے مگر کسی دنیوی تعلق کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ انہوں نے دین کی خاطر اپنے آپ کو ذبح ہونے کے لئے پیش کر دیا۔

پس ہر وہ شخص جو دنیا پر لات مار کر دین کی خاطر اپنی زندگی کو وقف کرتا ہے اور ہر باپ جو اپنی اولاد کو تعلیم دلا کر دین کے لئے وقف کرتا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عترت ہے جس سے اسلام زندہ رہ سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دو چیزیں چھوڑیں۔ ایک قرآن اور ایک عترت۔ قرآن تو ہمیشہ وہی رہے گا مگر عترت ہمیشہ بدلتی رہے گی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعدؓ، حضرت سعیدؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اور دوسرے ایسے ہی صحابہ عترت تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک موقع پر یہ بھی فرمایا کہ سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَيْتِ 8 کہ سلمان ہم اہل بیت میں سے ہے۔ اور یہ کہہ کر بتا دیا کہ میری عترت سے مراد صرف وہ لوگ نہیں جو صلب سے ہیں بلکہ وہ ہیں جو دین کے لئے اپنی زندگیاں وقف کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں اپنی جانیں ذبح کئے جانے کے لئے پیش کر دیتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی انہی لوگوں کو اپنی عترت قرار دیا ہے۔ چنانچہ بائبل میں آتا ہے کہ "جب وہ بِھیڑ سے یہ کہہ ہی رہا تھا تو دیکھو اُس کی ماں اور بھائی باہر کھڑے تھے اور اُس سے باتیں کرنی چاہتے تھے۔ کسی نے اس سے کہا دیکھ! تیری ماں اور تیرے بھائی باہر کھڑے ہیں اور تجھ سے باتیں کرنی چاہتے ہیں۔ اس نے خبر دینے والے کے جواب میں کہا کون ہے میری ماں اور کون ہیں میرے بھائی۔ اور اپنے شاگردوں کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا دیکھو! میری ماں اور میرے بھائی یہ ہیں۔ کیونکہ جو کوئی میرے

آسمانی باپ کی مرضی پر چلے وہی میرا بھائی بہن اور ماں ہے۔"9

اور صحیح بات بھی یہی ہے کہ آپ جس کام کے لئے مبعوث ہوئے تھے وہ انہی سے وابستہ تھا جن کو وہ اس وقت تعلیم دے رہے تھے۔ اسی طرح جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کام کے چلانے والے ہیں وہی آپ کی عترت ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں دو چیزیں اپنے پیچھے چھوڑ رہا ہوں۔ جو ثَقَلَان ہیں یعنی بوجھ ہیں۔ ایسے بوجھ کہ جب تک وہ رہیں گے دین آسمان پر نہ جائے گا۔ یہ دو بوجھ ہوں گے جو دین کو زمین پر رکھیں گے جب یہ دونوں بوجھ اُٹھ جائیں گے اسلام بھی آسمان پر چلا جائے گا۔ جب مسلمانوں میں سے قرآن کریم کا مفہوم اُڑ گیا اور جب عترت اُڑ گئی تو اسلام بھی اُڑ کر آسمان پر چلا گیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسے دوبارہ دنیا میں لائے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تھا کہ لَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَیَّا لَنَالَہٗ رِجَالٌ مِّنْ ھٰٓؤُلَآءِ۔10 اس کا مطلب بھی یہی تھا کہ ایک وقت ایسا آئے گا جب مسلمانوں میں نہ قرآن رہے گا اور نہ میری عترت۔ یہ دونوں ایسے بوجھ ہیں جن کی وجہ سے ایمان زمین پر رہ سکتا ہے ورنہ ایمان ایسی ہلکی چیز ہے کہ جب یہ بوجھ نہ رہیں گے تو وہ بھی نہ رہ سکے گا۔ جب یہ بوجھ اُٹھ جائیں گے اسلام بھی اُٹھ جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام دوبارہ اسے دنیا میں لائے ہیں۔ مگر جو پہلے اُڑ کر آسمان پر چلا گیا تھا اب بھی جا سکتا ہے اور جن دو چیزوں نے پہلے اسے دبایا تھا وہی اب بھی دبا کر رکھ سکتی ہیں اور وہ دو چیزیں قرآن کریم اور عترت ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن کریم کا مفہوم دوبارہ سمجھایا ہے اور اس کی تفسیر بیان فرما دی ہے۔ مگر قرآن کریم عترت کے دل میں ہی رہ سکتا ہے۔ اگر باہر رہ سکتا تو پہلے اُڑ کیوں جاتا۔ اصل قرآن وہ نہیں جو اَوراق پر لکھا ہوتا ہے بلکہ وہ ہے جو عترت کے دل میں ہوتا ہے۔ اور جب عترت اُڑے گی تو وہ بھی اُڑ جائے گا۔ پس ہر وہ خاندان جو خدمت سلسلہ کے لئے کسی کو وقف نہیں کرتا وہ قرآن کریم کے دنیا سے اُڑنے میں مدد دیتا ہے۔ اور وہ ایمان کے دنیا سے اٹھ جانے میں مدد دیتا ہے کیونکہ جب تک قرآن کریم اور عترت دنیا میں قائم نہ ہو گی ایمان قائم نہیں رہ سکتا۔

پس میں جماعت کے دوستوں کو اس نہایت ہی ضروری امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ تحریک جدید کے پہلے دَور میں مَیں نے اس کی تمہید باندھی تھی۔ مگر اب دوسری تحریک کے موقع پر میں مستقل طور پر دعوت دیتا ہوں کہ جس طرح ہر احمدی اپنے اوپر چندہ دینا لازم کرتا ہے اِسی طرح ہر احمدی خاندان اپنے لئے لازم کرے کہ وہ کسی نہ کسی کو دین کے لئے وقف کرے گا اور میں امید کرتا ہوں کہ سب دوست جلد سے جلد اس بلاوا پر لبیک کہیں گے تا احمدیت کی تبلیغ ہماری زندگیوں میں ہی دور دور تک پہنچ سکے۔ اگر ہم نے زیادہ سے زیادہ آدمی دین کے سکھلانے کے لئے جلد از جلد پیدا نہ کر دیئے تو دین کے قیام میں خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ ہمیں آدمیوں کا فکر نہیں بلکہ یہ فکر ہے کہ دین اپنی اصل شکل میں دنیا میں قائم ہو جائے۔

اِس وقت دو قسم کے آدمیوں کی ضرورت ہے ایک تو دیہاتی مبلغ ان کی تعلیم کم سے کم مڈل تک ہونی چاہیے اور انہیں سال ڈیڑھ سال تک تعلیم دے کر دیہات میں لگا دیا جائے گا۔ دوسرے ایسے مڈل پاس طالب علم جو مدرسہ احمدیہ میں داخل ہو کر تعلیم حاصل کریں۔ ابھی داخلہ میں تین ماہ کا عرصہ ہے۔ اس لئے ابھی سے اس کے لئے دوست تیاری کریں۔ زیادہ نہیں تو فِی الحال ہر ضلع سے چار پانچ طالب علم ضرور آنے چاہئیں۔ اور بنگال اور بہار وغیرہ صوبوں سے جہاں جماعتیں کم ہیں صوبہ بھر میں سے ہی چار پانچ آنے چاہئیں۔ ہم انشاء اللہ جلد تبلیغ کے کام کو وسیع کرنے والے ہیں۔ جس کے لئے مبلغ درکار ہیں اور معلّم بھی جو نئے آنے والوں کو دین سکھائیں۔

کل ہی میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں کابل گیا ہوں جس کے یہی معنی ہو سکتے ہیں کہ وہاں بھی انشاء اللہ احمدیت کی اشاعت کی کوئی صورت پیدا ہو گی۔ میں نے دیکھا کہ مَیں وہاں گیا ہوں اور وہاں بادشاہ، وزراء اور بڑے سرکاری حکام اور بڑے بڑے آدمیوں سے مل چکا ہوں۔ مجھے وہاں گئے دو تین روز ہو چکے ہیں اور اب میں واپس آنا چاہتا ہوں۔ اور موٹر میں یہ سفر میں نے کیا ہے۔ جب میں واپسی کا ارادہ کر رہا ہوں تو کسی نے مجھے کہا کہ یہاں دو طرح سے پٹرول ملتا ہے ایک تو دکانوں میں ملتا ہے اور ایک پٹرول پمپ پر۔ پمپ پر زیادہ مل سکتا ہے مگر قیمت زیادہ ادا کرنی پڑتی ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ بطور احتیاط پٹرول زیادہ ہی ہونا چاہیے

بیس پچیس روپے زیادہ خرچ ہو جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ اور اس خواب سے میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ وہاں بھی تبلیغ کا راستہ کھولے گا اور ان علاقوں میں تبلیغ کے لئے فارسی اور پشتو زبانیں جاننے والوں کی ضرورت ہے۔ پس صوبہ سرحد کو بھی توجہ کرنی چاہیے اور وہاں سے بھی نوجوان آنے چاہئیں۔ اب تک اس صوبہ سے بہت کم آئے ہیں اور جو آئے بھی ہیں وہ تعلیم پانے کے بعد دوسرے کاموں میں لگ گئے ہیں۔ سوائے ایک کے کہ وہ مبلغ بنے ہیں۔ اور وہ اگر اس صوبہ کی جماعتوں میں تحریک کر کے نوجوانوں کو تعلیم کے لئے یہاں بھجوائیں تو میں سمجھتا ہوں ان کا یہی کام بڑا کام ہو گا۔

خوب یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ احمدیت کی تبلیغ کے نئے رستے جلد کھولنے والا ہے اور ہمیں ہزاروں مبلغوں کی ضرورت ہو گی۔ اور اگر آج تیاری شروع کی جائے تو آٹھ سال کے بعد پہلا پھل مل سکے گا اور اُس وقت تک ہم تبلیغ وسیع پیمانے پر نہ کر سکیں گے۔ اس لئے میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ گریجوایٹ اور مولوی فاضل نوجوان اپنے آپ کو پیش کریں تا انہیں جلد سے جلد کام پر لگایا جا سکے۔ ایسے نوجوان دو سے چار سال تک کے عرصہ میں کام کے قابل ہو سکیں گے۔ اور ان سے وقتی ضرورت کو پورا کیا جا سکے گا۔ مگر اصل چیز تو یہ ہے کہ ہر سال مدرسہ احمدیہ میں سو دو سو طالب علم داخل ہوتے رہیں۔

اِس کا دوسرا قدم یہ ہو گا کہ ہندوستان کے مختلف صوبوں میں ہم ایسے ہی مدرسے جاری کریں گے۔ اور پھر مختلف ملکوں میں عرب، مصر، فلسطین، شام اور دیگر ممالک میں اِسی طرز پر اور اِسی کورس پر مدرسے جاری کئے جائیں گے۔ یہاں سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد آدمی جائیں گے اور وہاں ایسے مدرسے چلائیں گے۔ تا ان ممالک کی تبلیغی اور تعلیمی ضرورت کے لئے آدمی تیار ہو سکیں۔ تمام ممالک میں ایسے مدرسے ہمیں جاری کرنے ہوں گے۔ حتّٰی کہ یورپ اور امریکہ میں بھی۔ پھر ان میں سے چند منتخب طالب علم یہاں آکر رہیں گے اور مکمل تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہاں جا کر کام کریں گے۔ اور اس طرح مرکز سے گہرا تعلق ان ملکوں کو پیدا ہوتا رہے گا۔ مگر ابھی تو ہندوستان میں بھی ہم انتظام نہیں کر سکتے بلکہ پنجاب کے لئے بھی ہمارے پاس سامان نہیں۔ پنجاب میں ساٹھ ہزار دیہات ہیں۔ اگر اوسطاً ساٹھ دیہات

کے لئے ایک آدمی رکھا جائے جو بالکل بے معنی سی بات ہے تب بھی ایک ہزار آدمی چاہیے۔ اور اگر ہر گاؤں کے لئے ایک آدمی رکھا جائے تو ساٹھ ہزار آدمیوں کی ضرورت ہو گی۔ میں تو حیران ہوں کہ جماعت کیا سمجھتی ہے کہ یہ اتنا بڑا کام کس طرح ہو سکے گا۔ کیا دوست سمجھتے ہیں کہ صرف چندے دے دینے سے یہ کام ہو سکے گا؟ جو ایسا خیال کرتا ہے وہ سخت غلطی پر ہے۔ جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اسلام کو زندہ رکھنے کے لئے دو چیزوں کے زندہ رکھنے کی ضرورت ہے۔ قرآن کریم کی اور عترت کی۔ قرآن کریم کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے زندہ کر دیا اور عترت کا پیدا کرنا ہمارا کام ہے۔ پس میں قادیان کے دوستوں کو بھی اور باہر والوں کو بھی توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنے لڑکوں کو دین کے کاموں کے لئے وقف کریں۔

وہ دن عنقریب آنے والا ہے جب ہر قسم کی عزت احمدیت سے وابستہ ہو گی۔ اور جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے دوسری قومیں چوہڑے چماروں کی طرح کمزور اور تھوڑی رہ جائیں گی۔ اور جو آج قربانی کرے گا وہ کل عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور جو آج غداری کرے گا وہ کوئی عزت نہ حاصل کر سکے گا۔ یہ بات میں نے ایسے لوگوں کے لئے کہی ہے جو دینی امور کو بھی دُنیوی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ورنہ مومن کو دُنیوی عزت کی کوئی پروا نہیں۔ وہ تو اُس چیز کو قبول کرتا ہے جس سے دین کو تقویت حاصل ہو اور اس کی خدمت ہو سکے۔ خواہ اس کے ساتھ دنیا کی ہزار لعنتیں کیوں نہ ہوں اسے دنیا کی لعنتوں کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔ وہ تو خدا تعالیٰ کی رضاء کا طالب ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کا ایک پیار دنیا کی سب لعنتوں کو دھو دیتا ہے۔

پس میں پھر قادیان کے دوستوں کو بھی اور باہر کے دوستوں کو بھی توجہ دلاتا ہوں کہ ایک تو وہ دیہاتی مبلغوں کے لئے ایسے آدمی دیں جو کم از کم مڈل تک تعلیم رکھتے ہوں۔ اور بیس سے تیس سال تک کی عمر کے ہوں۔ اگر موزوں ہوں تو چالیس سال کی عمر تک کے بھی لئے جاسکتے ہیں۔ دوسرے اپنے مڈل پاس لڑکوں کو مدرسہ احمدیہ میں تعلیم کے لئے بھیجیں۔ اور چونکہ ان سے کام آٹھ سال کے بعد لیا جاسکے گا اس لئے فِی الحال گریجوایٹ اور مولوی فاضل نوجوان

آگے آئیں۔ تا ان کو دینی تعلیم دے کر جس قدر جلد ممکن ہو کام شروع کیا جا سکے۔ پس دوست جلد سے جلد اس طرف توجہ کریں تا ہمیں ایسے مبلغ مل سکیں جو دنیا کے کناروں تک احمدیت کو پھیلا دیں اور سلسلہ میں داخل ہونے والے نئے لوگوں کو دینی تعلیم دے سکیں۔ اے میرے رب! تُو لوگوں کے دل کھول دے کہ وہ اس بات کی اہمیت کو سمجھ سکیں۔ اور پھر ان کے اندر قربانی کی روح پیدا کر کہ وہ آگے بڑھ کر دین کے لئے اپنی جانیں فدا کریں۔ آمین۔"

(الفضل مورخہ 10 جنوری 1945ء)

1: البیومنریا: (ALBUMINURIA) گُردوں کی بیماری

2: تذکرۃ الشہادتین۔ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 67

3: بخاری کتاب فضائل اَصْحَابِ النّبی ﷺ باب فضائل اَصْحَابِ النبی ﷺ

4: المائدۃ:25

5: کنز العمال جلد 1 صفحہ 186 مطبوعہ حلب میں "اِنِّیْ تَارِکٌ" کے الفاظ ہیں۔

6: سیرت ابن ہشام جلد 2 صفحہ 126۔ مطبوعہ مصر 1936ء

7: سیرت ابن ہشام جلد 2 صفحہ 129۔ مطبوعہ مصر 1936ء

8: مستدرک حاکم۔ کتاب معرفة الصحابه رضی الله عنهم ذکر سلمان فارسی جز نمبر 3 صفحہ 691۔ مطبوعہ بیروت 1990ء

9: متی باب 12 آیت 46 تا 50

10: بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۃ الجمعة باب قوله وآخرين منهم میں "عِنْدَ الثُّرَيَّا" کے الفاظ ہیں۔